© rasailojaraid.com

قسط ۲

جناب کریم الدین صاحب ۔ جدہ

قرآن حکیم، بائبل
اور
جدید سائنس

۹۔ صفحہ ۱۰۔ ایک عام اور اوسط درجہ کے سائنسدان کے لئے جس نے ان مضامین پر کوئی خصوصی ریسیرچ نہیں کی یا تخصیص حاصل نہیں کی، جن کی تفصیل قرآن میں دی گئی ہے۔ قرآن کی ان متعلقہ آیات کا مفہوم سمجھنا بہت مشکل ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسی تمام آیات قرآنی کو سمجھنے کے لئے آج بھی ضروری ہے کہ ایک شخص کے پاس علم کا مکمل انسائیکلوپیڈیا ہو جس کے ذریعہ وہ علم کی ہر شاخ پر حاوی تو ہو سکتا ہے۔ تبھی تو ہم کہتے ہیں کہ ایسی آیات کی معمولی عام تفسیریں ہی کافی ہیں۔ جن سے وہ مقصد پورا ہو جائے جس کے لئے وہ نازل فرمائی گئی ہیں۔ اگر سائنسی تفسیریں مقصود ہوتیں تو ہرگز ایسی آیات کا نزول عرب کے اُمی لوگوں پر نہ فرمایا جاتا۔ یقیناً کسی سے ایسی بات کہنا جس کا مطلب زائد از ہزار سال بعد سمجھ میں آنے والا ہو۔ ایک فعل عبث بلکہ نادانی ہے۔ سبحان اللہ عما یصفون (اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے جو لوگ اس کی نسبت کہتے ہیں۔

۱۰۔ صفحہ ۱۱۔ قرآن مجید میں بعض ایسے بیانات کی مثالیں بھی ملتی ہیں جنہیں جدید سائنس ابھی تک ثابت نہیں کر سکی تاہم اب تک اس سلسلہ میں جو شواہد دستیاب ہوئے ہیں وہ سائنسدانوں کو ان کی امکانی صداقت باور کرانے کے لئے کافی ہیں۔ اس کی ایک مثال قرآن مجید کا یہ ارشاد ہے کہ زندگی کا آغاز پانی سے ہوا۔ دوسری مثال قرآن مجید میں موجود بیان ہے کہ کائنات میں اور کہیں ہماری طرح کی زمینیں یا دنیا میں بھی موجود ہیں۔ احقر کے مطالعہ قرآن کی حد تک کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کا یہ مطلب ہو کہ زندگی کا آغاز پانی سے ہوا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب (بائبل، قرآن اور سائنس) میں تین حوالے دیئے ہیں۔ آیت ۳۰۔ سورہ انبیاء۔ آیت ۵۳ سورہ طٰہٰ اور آیت ۴۵ سورہ نور۔ ہر ایک کا تفسیری ترجمہ حسب ذیل ہے۔

آیت ۳۰۔ سورہ انبیاء "اور ہم نے پانی سے (نباتات ہی کو نہیں بلکہ) ہر جاندار کو بنایا ہے۔ (خواہ حدوثاً خواہ بقاءً، خواہ بواسطہ یا بلاواسطہ۔ جیسا کہ دوسری میں ہے۔ وما انزل اللہ من السماء من ماءٍ فاحیا بہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الارض بعد موتہا وبثّ فیہا من کل دآبۃٍ ۔

آیت ۵۳ سورہ طٰہٰ ’’اور آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے اقسام مختلفہ کے نباتات پیدا کئے ۔‘‘

آیت ۴۵ سورۂ نور ۔ ’’ اور اللہ نے ہر چلنے والے جاندار کو (برّی ہو یا بحری ایک طرح کے) پانی سے پیدا کیا ۔

ان تینوں آیتوں میں سے کوئی بھی اس نظریہ کی تصدیق نہیں کرتی کہ ’’ زندگی کا آغاز پانی سے ہوا ۔ خصوصاً جبکہ سائنس کا نظریہ یہ بھی ہے کہ جو حیات پہلی بار پانی میں پیدا ہوئی تھی وہی دائماً ہر جاندار چیز میں جاری و ساری ہے یوں کھینچ تان کر مطابقت پیدا کرنا دوسری بات ہے ۔

رہی دوسری مثال تو قرآن میں صرف ایک جگہ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی (سات) پیدا کرنا آیا ہے ۔ جس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بالکل ہماری دنیا کی طرح آباد ہیں ۔ البتہ رب العٰلمین سے ان کے ’’ دنیا میں ‘‘ ہونے کی طرف اشارہ ضرور ملتا ہے ۔ اگر ’’ عالم ‘‘ کے معنی ہماری دنیا جیسی دنیا لیا جائے جو کہ مفسرین نے نہیں لیا اور سائنس سے بھی ابھی تک اس کی تصدیق نہیں ہوئی ۔ بہرحال ہمیں اس چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ کہ وہ دنیا میں کہاں ہیں اور کیسی ہیں جتنا قرآن نے بتا دیا اسی پر ایمان لانا کافی ہے ۔

۱۱ ۔ صفحہ ۱۴ کا پہلا پیراگراف ۔ ’’ سائنسی بحث اپنی جگہ ... جو بائبل میں نہیں ملتا ‘‘ تکوینی آیات قرآنیہ کے متعلق ایک مسلم کے صحیح طرزِ عمل کی طرف راہنمائی کرتا ہے ۔ جس کے لئے ڈاکٹر صاحب شکریہ کے بجا طور پر مستحق ہیں ۔

۱۲ ۔ صفحہ ۱۵ ۔ ’’ ہم قرآن کے ایسے بیانات کا جائزہ لیں گے جو آج محض سائنس کی صداقتوں کو ظاہر کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔ جب کہ پچھلے زمانہ میں ان سے جو مطلب اخذ کیا جاتا تھا وہ یا تو عام قسم کا ہوتا تھا یا پھر سرے سے ان بیانات کو ناقابلِ فہم خیال کیا جاتا تھا ۔‘‘

قرآن کا کوئی بیان بجز متشابہات کے ایسا نہیں ہے جو واضح المراد نہ ہو ۔ اسی لئے جگہ جگہ قرآن کو ’’ کتاب واضح ‘‘ کہا گیا ہے ۔ پس جو مطلب کسی بیان کا پچھلے زمانہ میں اخذ کیا جاتا تھا (جسے آپ عام قسم کا کہتے ہیں) وہی کافی ہے البتہ اس کی تفصیلات ناقابلِ فہم ہو سکتی ہیں ۔ مگر ان کے درپے ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ’’ سورج اپنے مستقر کی طرف چل رہا ہے ‘‘ ۔ اس بات پر ایمان لانے میں کیا پریشانی ہے ؟ لیکن اگر آپ یہ جاننے کے درپے ہوں کہ کس چال سے چل رہا ہے ، کیسے راستے پر چل رہا ہے ، اس کا مستقر کہاں ہے وغیرہ وغیرہ ، تو یہ پریشانی آپ خود پیدا کر رہے ہیں اور غلطی سے ان تفصیلات کو آیت کی صحیح تفسیر سمجھ کر بلا وجہ اسلاف کی معاذ اللہ تجہیل بھی کر رہے ہیں

۱۳ ۔ صفحہ ۱۵ ۔ ’’ یہ مبہم آیات جو قرآن میں جگہ جگہ پائی جاتی ہیں ‘‘ ، کسی کتاب میں مبہم عبارتوں کا ہونا اس کا نقص سمجھا جاتا ہے ۔ اور قرآن میں ہر قسم کے نقص کی نفی سورہ کہف کی آیت ۱ ، ۲ سے ہوتی ہے جس کا ترجمہ تفسیری یہ ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" تمام خوبیاں اُس اللہ کے لئے ثابت ہیں جس نے اپنے (خاص) بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس میں (کسی قسم کی) ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔ دنہ لفظی مثل رکاکت و ابتذال یا اختلالِ فصاحت، اور نہ معنوی مثل اختلافِ مضامین، مخالفت حکمت وغیرہ بلکہ اس کو) بالکل استقامت کے ساتھ موصوف بنایا "

پس قرآن کی بعض آیتوں کو مبہم کہنا غلطی اور جسارت ہے البتہ بعض آیتیں بعض کی مفسر ضرور ہیں تاہم کوئی آیت مبہم نہیں ہے۔ نیز بعض کے مفاہیم کی تعین میں مفسرین میں اختلاف بھی ہے لیکن اسے ابہام میں کوئی تعلق نہیں۔

۱۴۔ صفحہ ۱۸ "جدید مفسرین کے نزدیک (ستۃ ایام میں) ایام سے مراد طویل ادوار یا زمانے ہیں نہ کہ محض چوبیس گھنٹوں پر مشتمل عام دن " یہ جدید مفسرین کا قیاس اور ایک غیر ضروری جدت ہے۔ بھلا جو خدا " کُن " کہہ کر ہی کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر ہو وہ چھ دن کی مقدار وقت یعنی ۱۴۴ گھنٹے میں زمین و آسمان وغیرہ کیوں پیدا نہیں کر سکتا۔ آیت ۹ سورہ حٰم سجدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

" آپ فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا (کی توحید) کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو (با وجود اس کی اتنی بڑی وسعت کے) دو روز (کی مقدار وقت) میں پیدا کر دیا " اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ ایام سے مراد معمولی چوبیس گھنٹے کے دن ہی ہیں نہ کہ طویل المدت ادوار۔ کیونکہ اول الذکر میں اظہار عظمت قدرت زیادہ ہے۔

۱۵۔ ص ۱۹۔ آیت ۳۰۔ سورہ انبیاء کی جو تفسیر ڈاکٹر صاحب نے دی ہے اور آج کل کے تجدد پسند مفسرین (مثلاً مولانا مودودی) نے بھی اختیار کی ہے۔ یعنی

" کیا ان کافروں کو یہ علم نہیں کہ آسمان اور زمین (پہلے) ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے پھر ہم نے دونوں کو علیحدہ کر دیا " نامناسب اور غیر منطقیانہ ہے۔ نامناسب تو یوں کہ جو چیز زاید از ہزار سال بعد اہل سائنس کو معلوم ہوئی (کہ ساری کائنات کا مادہ ایک ہی ہے یعنی سحابیہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ کیا یہ کافر لوگ نہیں دیکھتے یا نہیں جانتے، معاذ اللہ بالکل بے جا ہے۔ کافر تو درکنار مسلمان بھی نہ صرف اس وقت کے بلکہ آج چودہ سو سال بعد تک کے بھی اس بات کو ایسا یقین کے ساتھ نہیں جانتے جس کو دیکھنا کہہ سکیں اور غیر منطقیانہ یوں ہے کہ جب آسمان اور زمین بنے ہی نہ تھے اس وقت یہ کہنا کہ دونوں ملے ہوئے تھے صحیح نہیں۔ یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ کرتے اور پاجامے پہلے ملے ہوئے تھے (روئی کی شکل میں) پھر علیحدہ کئے گئے یا کہے کہ خون اور پاخانہ پہلے

لہ سورہ قٓ آیت ۳۸ میں فی ستۃ ایام کے بعد وما مسنا من لغوب بھی آیا ہے اس سے کھلا ہی ظاہر ہے کہ چھ دن کی مقدار وقت میں ہی پیدا کیا نہ کہ چھ ادوار میں جو کہ سائنسدانوں کے نزدیک کروڑوں سال پہ پھیلے ہوئے ہیں کیونکہ کسی کام کو مدت طویلہ میں انجام دینے میں تکان کا احتمال عادۃً نہیں ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملے ہوتے تھے۔ (روٹی کی شکل میں) پھر علیحدہ علیحدہ کئے گئے۔ ظاہر ہے کہ اظہار مدعٰی کا یہ طریقہ بلکہ غیر منطقی بلکہ بیہودہ ہے تو کیا ڈاکٹر صاحب اور دوسرے اس قسم کے مفسرین اللہ تعالیٰ سے معاذ اللہ ایسی بے ہودگی کی امید کرتے ہیں ؛ وَمَا قَدَرُ اللّٰہَ حَقَّ قَدرِہٖ، سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْن۔

دراصل اس قسم کے مفسرین نے "رَتقْ" اور "فَتقْ" کے مناسب معنی اختیار کرنے میں ٹھوکر کھائی۔ "رَتقْ" کے معنی ملانا اور جوڑنا بھی ہیں اور بند کرنا بھی۔ اسی طرح "فَتقْ" کے معنی علیحدہ کرنا بھی ہیں اور کھول دینا بھی۔ یہاں دوسرے معانی اختیار کرنا ہی مناسب ہے اور آیت کی صحیح تفسیر جو قرآن کے مخاطبین اولین کے لئے بھی قابل فہم تھی اور آج ہمارے لئے بھی، یہ ہے۔

"کیا اِن کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان اور زمین (پہلے) بند تھے (یعنی نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے کچھ نباتات اگتی تھی۔ اسی کو بند ہونا فرما دیا چنانچہ ایسا وقت اب بھی کبھی کبھی کہیں آ جاتا ہے اور بعض خطے تو ایسے بھی زمین پر ہوں گے۔ جہاں نہ کبھی بارش ہوتی ہو نہ نباتات اگتی ہو۔ پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا کہ آسمان سے بارش ہونے لگی اور زمین سے نباتات اُگنے لگی پس فتق یعنی کھلنا تو امر شاہد ہے اور رتق یعنی بند ہونا جو فی الحال ہوتا ہے۔ وہ بھی مشاہد ہے، اور جو ابتدائی تھا وہ دلیل عقلی سے اس وقت بھی خصوصاً اہل عرب کی، کہ ریگستان ہے، سمجھ میں آسکتا تھا اور ہمارے زمانہ میں تو علوم جدیدہ اس کی مکمل تائید کرتے ہیں کہ کرہ زمین بننے کے بعد بارش ہونے اور نباتات اُگنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ اور اَوَلَمْ یَرَالَّذِیْنَ (یعنی کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے؟) میں "دیکھنا" مشاہدہ اور استدلال عقلی اور نقلی سب کو شامل ہے یعنی معلوم کر لینے کو خواہ وہ کسی بھی ذریعہ سے ہو (بیان القرآن۔ خط کشیدہ جملہ کا اضافہ احقر نے کیا ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ نے ذیلی فوائد میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ رتق اور فتق کی یہی تفسیر درّ منثور میں حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے اور یہی ایسی ہے جو اس زمانہ کے لوگوں کی سمجھ میں آسکتی تھی۔

۱۶ صفحہ ۱۹ (زمین و آسمان کی اس) "علیحدگی کے عمل کے نتیجہ میں کئی دنیائیں وجود میں آئیں۔ اس سلسلہ میں درجنوں حوالے قرآن میں دستیاب ہیں بلکہ قرآن پاک کی سب سے پہلی آیت بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے جو جہانوں کا رب ہے (فاتحہ ۱) اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ زمین و آسمان کی علیحدگی والا خیال ہی غلط ہے۔ قرآن میں صرف ایک جگہ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی (سات) بنائے جانے کا ذکر ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ ہماری دنیا کے مثل دنیائیں ہیں۔ شاید اسی وجہ سے مفسرین نے عالمین کے یہ معنی اختیار نہیں فرمائے۔ بلکہ مراد اس سے مخلوقات کی الگ الگ جنسیں لی ہیں۔ مثلاً عالم ملائکہ، عالم انسان، عالم جن وغیرہ لیس پیشتر اس کے کہ ہماری دنیا جیسی دوسری دنیاؤں کا وجود محقق ہو ہم کو وثوق کے ساتھ بہت سی دنیائیں بننے کا حکم نہ لگانا چاہئے۔

(۱۷) صفحہ ۲۰۔ آیت ۵۹۔ سورۂ فرقان۔" وہ (خدا) ایسا ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب چھ روز (کی مقدار وقت) میں پیدا کیا"۔ میں ڈاکٹر صاحب کے خیال سے" زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ ہے" سے مراد مادہ کے وہ پل ہیں جو باضابطہ فلکیاتی نظاموں سے باہر ہیں اور جو حال ہی میں دریافت کئے گئے ہیں۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک آسمانِ دنیا سے مراد نظام شمسی ہے۔ اس لئے ان کو آسمان اور زمین کے درمیان صرف یہی ایک چیز نظر آئی جو آج بھی صرف اونچے درجے کے اہل سائنس ہی کے تصور میں آسکتی ہے۔ عام آدمی تو زمانہ نزول قرآن میں بلکہ ہمارے زمانہ میں بھی "مَا بَیۡنَہُمَا" سے مراد ہوا، چاند، ستارے وغیرہ ہی بآسانی لے سکتا ہے جو مشاہد ہیں۔ اور ایمان بالغیب کے درجہ میں غیر مشاہد چیزوں کے وجود کا بھی قائل ہو سکتا ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اگر آسمان اور زمین کے درمیان صرف ایک ہی چیز (مادہ کے پل) ہوتی اللہ تعالیٰ مابینہما نہ فرماتے بلکہ اس چیز کی وضاحت فرما دیتے۔ مابینہما استعمال فرمانے کے مطلب ہی یہ ہے کہ بہت سی چیزیں پیدا فرمائی ہیں جن میں سے بعض مشاہد اور بعض غیر مشاہد ہیں۔ پس مادہ کے پلوں کو ہی مابینہما کا مدلول بنانا غلط ہے۔

اب ہم ترقی کر کے ثابت کرتے ہیں کہ مابینہما سے" مراد مادہ کے پل" ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ ڈاکٹر صاحب اور دوسرے سائنسدانوں کے نزدیک اس" مادہ" سے مراد وہ چیز ہے جو سحابیہ سے ستارے، سیارے، ذیلی سیارے وغیرہ اجرام فلکی (جنہیں ڈاکٹر صاحب اور بعض جدید مفسرین اور سائنسدان آسمان کہتے ہیں) بننے کے عمل کے نتیجہ میں غبار یا دخان کی شکل میں بچ رہی۔ ظاہر ہے کہ اس پر پیدا کئے جانے کا اطلاق صحیح نہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کوئی بڑھئی ایک میز بنائے تو جو چھیلن، برادہ وغیرہ اس جگہ باقی رہ جائے اس کی نسبت یہ کہنا کہ میز کے ساتھ بڑھئی نے یہ چیزیں بھی بنائی ہیں درست نہیں۔ غرض مادہ کے پل" مابینہما" کا مدلول نہیں ہو سکتے۔

۱۸) صفحہ ۲۰۔" یہ ایک معلوم فلکیاتی حقیقت ہے کہ ہمارا یہ سیارہ (زمین) اپنے ستارے (سورج) سے وجود میں آیا ہے"، مگر ماہرین فلکیات کے پاس اس کی کوئی مسکت دلیل نہیں۔ یہ خیال کہ سورج کی کسی ستارے سے ٹکر کے نتیجہ میں سورج کے کچھ ٹکڑے ٹوٹ کر علیحدہ ہو گئے۔ اور سیاروں کی شکل اختیار کر کے مختلف مداروں میں مختلف رفتاروں سے اس کے گرد گھومنے لگے، جن میں ایک ہماری زمین بھی ہے۔ ہمارے نزدیک خرافات سے زیادہ نہیں جس کو "حقیقت" کہنا حقیقت پر ظلم ہے۔

۱۹۔ صفحہ ۲۱، ۲۲" قرآن میں جہاں لفظ" نجم" (ستارہ) استعمال ہوا ہے۔ وہاں اُس کے ہمراہ ایک اور وضاحتی لفظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ثاقب" بھی استعمال ہوا ہے جس سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ یہ ستارے ملتے جلتے ہیں اور کبھی کبھی جلتے رات کی تاریکیوں کو چیر کر راکھ بھی بن جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ تحقیق درست نہیں۔ کہ قرآن میں ہر جگہ "نجم" کے ساتھ "ثاقب" کا استعمال ہوا ہے جیسا کہ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى سے ہی ظاہر ہے۔ ٹوٹنے والے ستاروں کے لئے قرآن میں بجائے نجم کے "شہاب" استعمال ہوا ہے جس کے معنی "شعلہ" ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ وہ جل کر راکھ ہو جائیں۔ چنانچہ ان کے ادھ جلے ٹکڑے زمین پر بھی گر پڑتے ہیں جو عجائب خانوں میں دیکھے جا سکتے ہیں بعض ان میں بہت وزنی ہیں۔

۲۰۔ صفحہ ۲۲۔ "قرآن میں لفظ کواکب سے مراد یقینی طور پر سیارے ہیں۔ ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ایک عام ناظر کو رات کے وقت ستارے اور سیارے میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ دونوں ہی روشن نظر آتے ہیں۔ جیسے چاند پر سے زمین کو دیکھنے میں وہ روشن نظر پڑتی ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ رات کو بے شمار روشن اجرام فلکی سے آسمان جگمگاتا ہے۔ جس کی نسبت آیت ۶ سورہ صافات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے آسمانِ دنیا کو کواکب سے زینت دی۔ تو کیا یہ سب روشن نظر آنے والے اجرام فلکی سیارے ہی ہیں؟ عقلاً تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے "کواکب" کا لفظ ستاروں اور سیاروں یعنی تمام روشن نظر آنے والے اجرام فلکی کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

۲۱۔ صفحہ ۲۲۔ سورہ انبیاء آیت ۳۳ میں کائنات میں توازن کی بنیاد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے

"اس (خدا) نے رات، اور دن اور سورج اور چاند بنائے۔ ہر ایک اپنے اپنے مدار میں (مقررہ رفتار کے ساتھ) تیر رہے ہیں۔" بین القوسین عبارت کے اضافہ کے بعد بھی آیت کائنات میں توازن کے ذکر یا اس کی وجہ کے بیان سے تو ساکت ہی رہی۔ دراصل توازن کی وجہ تو خدا کی قدرت ہے جیسا کہ آیت ۶۵ سورہ حج میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"اور وہی آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے۔ ہاں مگر اسی کا حکم ہو جائے تو خیر (پھر تو ضرور ہی گر پڑے)" ہمیں اس تجسس میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ کیسے تھامے یا توازن قائم کئے ہوئے ہے؟

۲۲۔ صفحہ ۲۳۔ "چاند کے متعلق یہ تمام حقائق (اس کا زمین کے گرد گھومنا وغیرہ) اکثر لوگوں کو معلوم ہیں۔ لیکن سورج کے بارہ میں ان حقائق سے ذرا کم لوگ واقف ہیں اگرچہ سورج کے متعلق بھی اسی اصول مطابقت کا اسی طرح اطلاق ہوتا ہے" قرآن نے جو کچھ معلومات چاند، سورج اور دوسرے اجرام فلکی کے متعلق دی ہیں۔ ان پر ایمان لانا کافی ہے۔ باقی قرآن اس سلسلہ میں مزید معلومات کے حصول سے نہیں روکتا۔ اگرچہ متعلقہ آیات کی تفسیر کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔

۲۳۔ صفحہ ۲۳۔ "(قرآن نے) جن الفاظ کے ساتھ اس (رات اور دن کے) تواتر کو بیان کیا ہے وہ انتہائی اہم ہے مثلاً سورہ زمر آیت ۵ میں فعل "یکوّر" کا استعمال اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ کس طرح رات دن کو اور دن رات کو لپیٹتا ہے۔ اس لفظ کا لغوی مفہوم ہے سر کے گرد پگڑی لپیٹنا۔ اور یہ ایک حقیقی تقابل ہے (دن اور رات کی گردش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ظاہر کرنے کے لئے) حالاں کہ جس زمانہ میں قرآن اتارا گیا۔ اس حقیقت کی تصدیق کے لئے ضروری فلکیاتی معلومات نامعلوم تھیں"

آیت کا دن کا رات کو یا رات کا دن کو لپیٹنا بیان نہیں ہوا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا دن کو رات پر اور رات کو دن پر لپیٹنا آیا ہے۔ جیسا کہ یکوّر اللّیل علی النہار ویکوّر النہار علی اللّیل کے لفظی ترجمہ سے ظاہر ہے (ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب بائبل، قرآن اور سائنس میں البتہ صحیح ترجمہ کیا ہے۔ چونکہ پگڑی باندھنے سے سر چھپ جاتا ہے اس لئے ایک چیز سے دوسری کو چھپا دینے کے لئے بھی تکویر کا استعمال ہوتا ہے پس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ "خدا کی قدرت کاملہ کو دیکھو کہ دن کے رخ روشن پر رات کی چادر لپیٹ کر اسے نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔ اور رات کی سیاہ زلفوں پر دن کی روشن کرنیں ڈال کر ان کی سیاہی کو کافور کر دیتا ہے" (قاموس القرآن صہ ۴۷۱) اس مفہوم کو سمجھنے کے لئے ہر شخص کا اپنا روزانہ کا مشاہدہ ہی کافی ہے۔ کسی غور و خوض کی بھی حاجت نہیں۔ تاہم قرآن نے نہ صرف اس آیت میں بلکہ جہاں کہیں بھی رات اور دن کے تواتر اور گھٹنا بڑھنا زمین کی اپنی محوری گردش اور محور کے سطح مدار پر ایک دائمی جھکاؤ کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ماہرین علم فلکیات قرآن کے بیان کو کسی طرح بھی اپنی مسلمہ تحقیقات کے خلاف نہیں پاتے۔ حالاں کہ زمانہ نزول قرآن میں زمین کو ٹھہرا ہوا اور سورج کو متحرک مانا جاتا تھا بلکہ کم از کم اہل عرب تو سطح زمین کو بجائے کُروی کے چپٹی بھی سمجھتے ہوں گے۔ ایسے زمانہ میں رات دن کے تواتر کے سلسلہ میں قرآن کے بیان کو ہمارے زمانہ کا لکھا پڑھا انسان ہرگز اُس زمانہ کے کسی آدمی کا کلام خیال نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس سے زمین کے کُروی ہونے اور اس کی محوری گردش کی طرف کھلا اشارہ ملتا ہے جس کا اس زمانہ میں تصور بھی ممکن نہ تھا ڈاکٹر صاحب یہی کہنا چاہتے ہیں جو اپنی کتاب میں انہوں نے زیادہ وضاحت سے کہا ہے۔ پس بلاشبہ اس قسم کی آیتیں ہمارے غیر مسلم سائنس دانوں کو دعوت ایمان دے رہی ہیں۔ اور مسلمانوں کو اسی حیثیت سے انہیں تبلیغ اسلام کے لئے کرنا چاہئے۔ لیکن تفسیریں ان کی وہی رہیں گی جنہیں ہر زمانہ کے عوام سمجھ سکیں۔ جیسی کہ آیت زیر بحث کی تفسیر ہم نے اوپر قاموس القرآن کے حوالہ سے دی ہے۔ کیونکہ منشاء ان آیتوں کے نزول سے سائنس پڑھانا نہیں بلکہ اظہار عظمت قدرت ہے تاکہ لوگ توحید پر دلیل پکڑیں۔

۲۴۔ صفحہ ۲۴۳۔ "قرآن ہمیں آسمانوں کے ارتقاء اور سورج کے متعینہ مقام کے متعلق بھی بتاتا ہے یہ سب کچھ جدید ترین فلکیاتی تحقیقات کے نتائج کے عین مطابق ہے۔ قرآن میں کائنات کا حوالہ بھی ملتا ہے" ہمارے مطالعہ قرآن کی حد تک قرآن میں آسمانوں کے ارتقاء کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ البتہ سورج کے مستقر کا ذکر آیت ۳۸ سورہ یٰس میں ضرور ہے۔ لیکن نہ تو اس مستقر کے مقام کی تعیین فرمائی گئی ہے نہ اس وقت کی جب سورج اپنے اس مستقر پر پہنچے گا۔ چاند، سورج (اور اسی طرح دیگر اجرام فلکی) کے متعلق قرآن کی کئی آیتوں میں ان کا ایک مقررہ میعاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک چلتے رہنا آیا ہے اور قیاس یہی کیا جاتا ہے کہ وہ میعاد "قیامت" ہے جو اللہ تعالیٰ کے واقع کرنے سے واقع ہوگی جیساکہ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ جیسی آیتوں سے ظاہر ہے ۔ نہ کہ سورج وغیرہ کے کہنہ اور فرسودہ ہو جانے پر ان کی صفات کے زائل ہو جانے کی وجہ سے ۔

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک آسمانوں کا مطلب چونکہ زمین کے علاوہ ستاروں، سیاروں اور کہکشانوں کا مجموعہ ہے اس لئے انہوں نے آسمانوں کے ارتقار کے سلسلہ میں اپنی کتاب میں سورج کے ارتقار کا ذکر فرمایا ہے (جو دوسرے ستاروں کے متعلق بھی ملتا جلتا سمجھا جاسکتا ہے) وہ کہتے ہیں کہ ہمارا سورج تقریباً تقریباً ساڑھے چار ارب سال پرانا ہے اور ابھی اپنی ابتدائی حالت میں ہے ۔ یعنی ہائیڈروجن گیس کے ذرات کو ہیلیم گیس کے ذرات میں بدل رہا ہے، یہ حالت ابھی تقریباً ساڑھے پانچ ارب سال تک اور باقی رہے گی ۔ اس کے بعد وہ سرد اور کم نور ہوتا چلا جائے گا ۔ اور اس کا ثقل بڑھتا جائے گا حتیٰ کہ ایک وقت (اربوں سال بعد) اور ایک خاص مقام پر پہنچ کر جس کی تعیین ماہرین فلکیات نے کر کے اس کا نام بھی راس شمسی رکھ دیا ہے ۔ سورج ختم ہو جائے گا ۔ قیامت کا یہ سائنسی تصور ظاہر ہے کہ اسلامی تصور سے میل نہیں کھاتا ۔ کیونکہ ہم مسلمان لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ قیامت کے روز تک پہنچتے پہنچتے سورج ٹھنڈا اور بے نور ہو جائے گا ۔ بلکہ یہ خیال کرتے ہیں کہ قیامت کے روز بھی سورج گرم اور تاباں ہی طلوع ہوگا پھر اللہ تعالیٰ اُس کو اس کی روشنی لپیٹ کر بے نور کر دیں گے ۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کے خیال سے احادیث کی بنا پر قیامت قریب ہے جب کہ سائنسی نظریات کی رو سے اس کا وقوع ہونے میں ابھی اربوں سال باقی ہیں ۔ تاہم یہ بھی غنیمت ہے کہ سائنس سورج کا مستقر تو مانتی ہے اگرچہ آیت کی تفسیر کے لئے اس کی تعیین ضروری نہیں ۔

اور "کائنات کے حوالہ" سے مطلب ڈاکٹر صاحب کا اس کا بھی "ارتقار" ہی ہے جو ان کی کتاب (بائبل قرآن اور سائنس) سے ظاہر ہے ۔ یہاں وہ ارتقار کا مطلب "توسیع" لیتے ہیں اور ثبوت میں آیت ۴۷ سورۃ ذاریات "وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ" پیش کرتے ہیں جس میں مُوْسِعُوْن کا ترجمہ انہوں نے "پھیلانے والے" یا "وسیع کرنے والے" کر لیا ہے ۔ حالانکہ ممتاز مفسرین نے اس کا مطلب "وسیع القدرت" لیا ہے جو ڈاکٹر صاحب کے نزدیک غلط ہے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ (حیدر آبادی مقیم فرانس) صاحب نے اپنی فرنچ تفسیر میں آسمانوں اور خلا کی توسیع کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے آخر میں سوالیہ نشان (؟) بھی لگا دیا ہے ۔ البتہ سائنسدانوں پر مشتمل "مجلس شوریٰ عالیہ امور اسلامیہ قاہرہ" نے اپنی تفسیر منتخب میں واضح طور پر ڈاکٹر صاحب کے ترجمہ کی تائید کی ہے ۔ تاہم ہم تو علمار مفسرین کے ترجمہ کو ہی صحیح مانتے ہیں اور توسیع کائنات کے قائل نہیں ۔

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com